© rasailojaraid.com

نبی اکرم ﷺ کے اصولِ تعلیم

پروفیسر غلام احمد حریری☆

تعلیم کی اہمیت

دین اسلام میں تعلیم کی اہمیت مسلّم ہے۔ تاریخ انسانیت میں یہ منفرد مقام اسلام ہی کو حاصل ہے کہ وہ سراپا علم بن کر آیا اور تعلیمی دنیا میں ایک ہمہ گیر انقلاب کا پیام بر ثابت ہوا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے انسانیت نے اپنے سفر کا آغاز تاریکی اور جہالت سے نہیں بلکہ علم اور روشنی سے کیا ہے۔ تخلیق آدم کے بعد خالق نے انسانِ اوّل کو سب سے پہلے جس چیز سے سرفراز فرمایا وہ علم اشیاء تھا۔ یہ اشیاء کا علم ہی ہے جس نے انسانِ اوّل کو باقی مخلوقات سے ممیز کیا اور قرآن حکیم کے فرمان کے مطابق تمام دوسری مخلوقات پر اس کی برتری قائم کی۔ علم قیادت کے ضروری لوازم اور ان اہم ترین عوامل میں سے ہے جو کسی تہذیب کے صحت مند ارتقاء اور نشوونما کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔

اسلام کے سوا دنیا کا کوئی مذہب یا تمدن (کلچر) ایسا نہیں ہے جس نے تمام انسانوں کی تعلیم کو ایک بنیادی ضرورت قرار دیا ہو۔ یونان اور چین نے غیر معمولی علمی اور تمدنی ترقی کی‘ لیکن وہ بھی تمام انسانوں کی تعلیم کے قائل نہ تھے‘ بلکہ علم کو ایک خاص طبقہ میں محدود رکھنے کے قائل تھے۔ افلاطون ’’جمہوریہ‘‘ (ری پبلک) میں جو اونچے سے اونچا خواب دیکھ سکا اس میں بھی فلاسفہ اور اہل علم کے ایک مخصوص طبقے ہی کو اس امتیاز سے نوازا گیا ہے۔ اسلام وہ واحد دین ہے جس نے تمام انسانوں پر تعلیم کو فرض قرار دیا اور اس فرض کی انجام دہی کو معاشرے کی ایک ذمہ داری بنایا۔ حدیثِ نبویؐ ہے:

((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ)) (ابن ماجہ)

’’علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔‘‘

جس زمانہ میں انڈیا کا تمدن رو بہ کمال تھا اس میں علم کو برہمنوں میں محدود کر دیا گیا تھا۔ کسی شودر کو تحصیلِ علم کی اجازت نہ تھی۔ شودر کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جاتا تھا تاکہ وہ علمی بات نہ سن سکے۔ یورپ کی تنگ نظری اور تعصب کا یہ حال تھا کہ سپین میں ایک مجلس قائم ہوئی تھی جس کا کام یہ تھا کہ جو شخص مذہب کے خلاف کوئی تحقیقی کام کرے اس پر کفر کا فتویٰ عائد کیا جائے۔ چنانچہ اٹھارہ برس میں یعنی ۱۴۸۱ء سے لے کر ۱۴۹۸ء تک دس ہزار دو سو بائیس (۱۰۲۲۲) آدمی ارتداد کے الزام میں زندہ جلا دیے گئے۔ اس مجلس نے آغازِ قیام سے آخر

☆ سابق چیئر مین‘ شعبہ علومِ اسلامیہ‘ زرعی یونیورسٹی فیصل آباد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک تین لاکھ چالیس ہزار آدمیوں کو کافر اور ملحد قرار دیا جن میں سے اکثر کو آگ میں جلا دیا گیا۔
دوربین کے موجد گلیلیو نے کوپرنیکس کی تائید میں ایک کتاب لکھی جس میں ثابت کیا کہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے۔ اس پر مذکورہ مجلس نے اس کو سزا کا مستوجب قرار دیا۔ چنانچہ اس کو گھٹنوں کے بل کھڑا کر کے یہ حکم دیا گیا کہ وہ اس مسئلہ سے انکار کرے' لیکن جب وہ اپنے عقیدہ پر ثابت قدم رہا تو اسے قید خانہ بھیج دیا گیا' جہاں وہ دس سال تک محبوس رہا۔ کوپرنیکس نے تحقیقات کی روشنی میں ثابت کیا کہ زمین اور چاند آفتاب کے گرد گھومتے ہیں' اس پر مذکورہ مجلس نے اس کے کافر اور مرتد ہونے کا فتویٰ صادر کیا۔ کولمبس نے جب کسی نئے جزیرہ کی دریافت کے لیے سفر کرنا چاہا تو کلیسا نے فتویٰ دیا کہ اس قسم کا ارادہ مذہب کے خلاف ہے۔ زمین کے گول ہونے کا خیال جب اوّل اوّل ظاہر کیا گیا تو پادریوں نے سخت مخالفت کی کہ یہ عقیدہ کتابِ مقدس کے خلاف ہے۔ غرض ہر قسم کی علمی تحقیقات پر پادریوں نے کفر وارتداد کے الزام لگائے۔ اس کے نتیجہ میں یہ رائے قائم ہوئی کہ مذہب اس چیز کا نام ہے جو علم اور حقیقت کے خلاف ہے۔(۱)
یہ نکتہ ملحوظِ خاطر رہے کہ اسلام میں سینکڑوں فرقے پیدا ہوئے اور ان میں اس قدر اختلاف رہا کہ ایک نے دوسرے کی تکفیر کی' مگر علمی تحقیقات کی بنا پر کبھی کسی شخص کی تکفیر نہیں کی گئی' بلکہ مسلمانوں نے علمی تحقیقات اور ایجادات کو کبھی مذہب کا حریفِ مقابل نہیں سمجھا۔
حضور اکرم ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی وہ علم کے مقام اور تعلیم وتعلّم کی اہمیت پر روشنی ڈالتی ہے:
﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ② اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ③ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ④ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ⑤﴾ (العلق)
''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا' انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب کریم ہے۔ وہ جس نے قلم سے تعلیم دی۔ انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا۔''
اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر وحی کا آغاز علم کے تذکرے سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی پہلی صفت خلق اور دوسری صفت عطائے علم بیان کی ہے۔ مزید یہ کہ حاملِ وحی وقرآن' رسولِ آخر الزماں ﷺ کو حکم دیا کہ وہ یہ دعا فرماتے رہا کریں: ﴿رَبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا﴾ (طٰہٰ) ''اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما''۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام عقلی اور علمی دعوت ہے۔ اس کا مبتدا اور منتہا علم ہے۔ سرورِ کائنات ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو فرائض تفویض ہوئے ان کا تذکرہ سورۃ الجمعہ کے آغاز میں فرمایا' وہ چار ہیں: (۱) تلاوتِ آیات' (۲) تعلیمِ کتاب' (۳) تعلیمِ حکمت' (۴) تزکیۂ نفوس۔ اس کی روشنی میں آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا)) (صحیح البخاری) ''مجھے تو معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

تحصیلِ علم کے بارے میں حضور ﷺ کے ترغیبی ارشادات

تحصیلِ علم کے ضمن میں نبی کریم ﷺ کے ترغیبی وتاکیدی احکام نے اہلِ اسلام کو ہمہ تن علم کی جانب متوجہ

(۱) الکلام' شبلی نعمانی' ص۱۶۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر دیا۔اس ضمن میں چند امور کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

تحصیل علم کی جو فضیلت رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی تھی اس کے زیر اثر محدثین نے احادیث کے اکثر مجموعوں میں علم کو پہلے چند ابواب میں جگہ دی۔صحیح البخاری میں ''بدء الوحی'' اور ''کتاب الایمان'' کے بعد ''کتاب العلم'' لائی گئی ہے۔اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حدیث اور محدثین کی نظر میں علم کی فوقیت کیا ہے۔صحیح البخاری کی طرح احادیث کے دوسرے مجموعوں میں بھی تعلیم وتعلّم کے اصول وطرق کے بارے میں واضح ارشادات موجود ہیں۔تفصیل کے لیے دیکھئے کتب احادیث بمدد **مفتاح کنوز السنة** نیز **المعجم المفهرس لألفاظ الحدیث النبوی** بذیل مادہ علم۔(۲)

ایک حدیث میں حضور ﷺ نے علم کے حصول کو رحمت الٰہی کا موجب قرار دیا' نیز طلب علم کو جنت کا ذریعہ ٹھہرایا ہے۔ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے اس علم و ہدایت کو جو آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ملا فراواں بارش سے تشبیہہ دی ہے جو ثمر آور ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''علم حاصل کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے علم کا حصول ضروری ہے۔ علم کی طلب عبادت ہے۔علم کی تلاش جہاد ہے۔بے علموں کو علم سکھانا صدقہ ہے۔مستحق لوگوں کو علم سکھانا اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے۔علم حلال وحرام کے مابین امتیاز کا نشان ہے' جنت کے راستوں پر روشنی کا ستون ہے' تنہائی میں مونس اور پردیس میں رفیق ہے' خلوت میں ندیم ہے' دشمن کے مقابلہ میں ہتھیار ہے' دوستوں میں زینت ہے۔علم کے ذریعے بلندی اور امانت ملتی ہے۔علم اہل علم کی سیرت کو مکمل کر کے اسے دوسروں کے لیے نمونہ بناتا ہے۔اہل علم کے لیے بر و بحر کے رہنے والے دعا کرتے ہیں''۔(۳)

فاضل روزنتال ان احادیث سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ احادیث میں ''باب العلم'' کی تدوین اور روایت حدیث کی جستجو نے مسلمانوں کے لیے کئی دوسرے علوم وفنون کی راہیں کھول دیں۔رجال' سیر' تاریخ' جغرافیہ' علم الانساب والقبائل' علم درایت وفقہ وکلام' سیاحت وسفر' بلکہ خود ایجاد واکتساب کا ذوق' یہ سب علومِ قرآن وحدیث کے رہین منت ہیں۔

تحصیلِ علم اور اصحابُ الحدیث

یہ قدرتی امر تھا کہ قرآن وحدیث کی اس رہنمائی میں صحابہ وتابعین اور محدثین نے تحصیل علم پر خاص زور دیا۔حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ لڑکوں کو پڑھتے دیکھتے تو فرماتے: ''شاباش!تم حکمت کے سرچشمے ہو' تاریکی میں روشنی ہو۔تمہارے کپڑے پھٹے پرانے ہوں تو کیا' مگر دل تر وتازہ ہیں۔تم علم کے لیے گھروں میں مقید ہو' مگر تم ہی قوم کے مہکنے والے پھول ہو۔''

حضرت عبداللہ بن مبارک ؒ سے پوچھا گیا کہ ''آپ کب تک علم حاصل کرتے رہیں گے؟'' جواب

(۲) لائیڈن' ۱۹۷۶ء۔

(۳) اور دیگر احادیث درفضیلت علم کے لیے دیکھئے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ج ۱۳' ص ۴۵۲ ومابعد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیا: ''موت تک''۔ سفیان بن عیینہ ؒ سے پوچھا گیا: ''طلبِ علم کی ضرورت سب سے زیادہ کسے ہے؟'' جواب دیا: ''جو سب سے زیادہ صاحبِ علم ہے۔''

محدثین کے نزدیک علم کی دو قسمیں ہیں: (۱) فرضِ عین (۲) فرضِ کفایہ۔

دین کے فرائض کا اجمالی علم فرضِ عین ہے۔ اس کی تحصیل ہر شخص کے لیے لازمی ہے۔ دوسرے علوم کی تحصیل اور ان میں تبحر محدثین کے نزدیک فرضِ کفایہ ہے۔ ایسے علم کو اگر ایک آدمی بھی حاصل کر لے اور باقی کسی وجہ سے نہ بھی کریں تو اس علاقے کے لوگ گنہگار نہیں ہوں گے، مگر سب حاصل کریں تو یہ سعادت ہے۔

حضرت حسن بصری ؒ کا قول ہے ''محض اللہ کی خاطر علم حدیث کا حصول دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے''۔ امام زہری ؒ فرماتے ہیں کہ ''علم سے بہتر کوئی طریقہ نہیں جس سے عبادتِ الٰہی ممکن ہو''۔ (۴)

صدرِ اسلام میں کتابتِ حدیث کا اہتمام

احادیث و آثار کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ صحابہ ؓ کو اس بات کی سخت تاکید فرماتے تھے کہ جو بات آپ ؐ سے سنیں اس کو ضبطِ تحریر میں لے آئیں تاکہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے۔ اس لیے راویانِ حدیث کے یہاں کتابتِ حدیث کا سخت اہتمام پایا جاتا تھا۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل آثار ملاحظہ ہوں:

(۱) حضرت سعید بن جبیرؒ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا۔ دورانِ سفر دونوں حضرات احادیث بیان کرتے تو میں ان کو کجاوے کی لکڑی پر لکھ لیتا اور جب سواری سے اترتا تو ان کو تحریر کر لیتا۔(۵)

(۲) حضرت عبداللہ بن دینار فرماتے ہیں کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز ؒ نے امیر مدینہ ابوبکر بن حزم کو حکم بھیجا کہ ''رسول کریم ﷺ کی احادیث اور سنن کو لکھ لیجیے' اس لیے کہ مجھے علم کے ضائع ہو جانے اور اہل علم کے ناپید ہونے کا اندیشہ دامن گیر ہے''۔(۶)

(۳) حضرت سلیمان بن داوٗد بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے معمر سے سنا' وہ کہتے تھے کہ امام زہریؒ بعض اوقات حدیثیں اپنے جوتے پر لکھ لیا کرتے تھے کہ مبادا وہ ضائع ہو جائیں۔(۷)

(۴) حضرت معاویہ بن قرہ کہا کرتے تھے کہ ''جو شخص علم کو ضبطِ تحریر میں نہ لائے اس کے علم پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے''۔(۸)

(۵) حضرت ربیع بیان کرتے ہیں کہ ایک روز امام شافعی ؒ ہمارے یہاں آئے' ہم اکٹھے بیٹھے تھے۔ فرمانے لگے: ''یہ علم انسان کے پاس سے اس طرح سے بھاگ جاتا ہے جیسے باغی اونٹ۔ اس لیے اس کو کتابوں

(۴) اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ج۱۳۔

(۵) الجامع لاخلاق الراوی والسامع' ص ۵۵۔

(۶) تقیید العلم للخطیب' ص ۱۱۵۔

(۷) جامع بیان العلم' ج۱' ص ۷۵۔ البیان والتبیین للجاحظ' ج۲' ص ۳۴۔ تذکرۃ الحفاظ' ج۱' ص ۱۰۳۔

(۸) سنن الدارمی' ج۱' ص ۱۳۶۔ جامع بیان العلم' ج۱' ص ۷۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں محفوظ کرلو اور قلم کے ذریعے اس کی نگرانی کرو‘‘۔(۹)

(۶) مشہور مفسر طبری تفسیر ابن جریر میں لکھتے ہیں کہ اہل علم نے سورۃ الکھف کی آیت ۸۲:﴿وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا﴾ کے بارے میں اختلاف کیا ہے کہ اس آیت میں کنز سے کیا مراد ہے۔ ابن عباس‘ ابن جبیر اور مجاہد کے نزدیک کنز سے علمی اوراق اور رسالے مراد ہیں۔(۱۰)

(۷) ایک روز حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو بلا کر کہا: ’’اے میرے بیٹو اور بھتیجو! ابھی آپ کمسن ہیں‘ جلد ہی بڑے ہو جائیں گے۔ اس لیے علم کے حاصل کرنے میں سہل انگاری سے کام نہ لیجیے۔ تم میں سے اگر کوئی اس علم کو آگے نہ پہنچا سکے تو اسے لکھ کر اپنے گھر میں محفوظ کر لے‘‘۔(۱۱)

(۸) مشہور مستشرق گولڈزیہر رقم طراز ہیں:

’’صدرِ اسلام میں لفظ علم کا اطلاق ان شرعی احکام پر کیا جاتا تھا جو رسول کریم ﷺ اور آپ کے صحابہؓ سے مروی و منقول ہیں۔ اس طرح لفظ علم اور حدیث دونوں ایک ہی چیز سمجھے جاتے تھے۔ خصوصاً محدثین کے یہاں تو یہی اصطلاح رائج تھی۔ غالباً دیگر اہل علم کا زاویہ نگاہ بھی یہی تھا‘ جیسا کہ اس کا اظہار امام ابنِ عبدالبرؒ کی تحریر کردہ اس فصل سے ہوتا ہے جو بطورِ خاص آپ نے علم کے اصول اور حقیقت کے بارے میں تحریر کی ہے۔ خطیب بغدادیؒ کے عصر و عہد تک محدثین یہی سمجھتے رہے کہ صرف حدیثِ رسول ہی کا نام علم ہے۔ اس لیے کہ حدیث نبوی جملہ اصولِ دین کی جامع ہے‘‘۔(۱۲)

امام غزالیؒ کی رائے

حجۃ الاسلام امام غزالی نے احیاء علوم الدین کا آغاز کتاب العلم سے کیا ہے اور اس میں اس موضوع سے متعلق جامع تفصیلات دی ہیں۔ فرماتے ہیں:

’’میری نگاہ میں علم کا مقصد انسان کے لیے سعادتِ ابدی کا حصول ہے۔ علم اعظم الاشیاء ہے جو اس سعادت تک پہنچاتا ہے۔ اس لیے حاصل کلام یہ ہے کہ ’’**اصل السعادة فی الدنیا والآخرة هو العلم**‘‘۔

اس سعادت کا ثمرہ ہے قربِ ربّ العالمین آخرت میں‘ اور عزو وقار اس دنیا میں۔ علم کا مقصد سعادتِ اُخروی کے ساتھ ساتھ تخلیق کائنات کی دریافت اور تکمیل بھی ہے۔ دین کا نظام دنیا کے نظام کے بغیر چل نہیں سکتا‘ کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ علم اللہ کا نور ہے جس کی تجلی عقل ہے۔ عقل سے وہ جملہ علوم متعلق ہیں جو دنیوی مصالح سے بحث کرتے ہیں‘ لیکن علم کی ایک برتر نوع بھی ہے جس کا منبع وحی اور الہام

(۹) تقييد العلم للخطيب‘ ص ۱۱٤۔

(۱۰) تفسير ابن جرير‘ ج۱٦‘ ص ٥۔ وتقييد العلم‘ ص ۱۱۷۔

(۱۱) تقييد العلم للخطيب‘ ص ۹۱۔ سنن الدارمی‘ ج۱‘ ص ۱۲٦۔ تاريخ بغداد‘ ج٦‘ ص ۳۹۹۔ و كنز العمال‘ ج٥‘ ص ۳۳۹۔ و ربيع الابرار للزمخشری‘ ص ۱۳۔

(۱۲) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام‘ مادہ فقہ۔ نیز مقالہ میکڈانلڈ در انسائیکلوپیڈیا‘ بر لفظ علم‘ ج۲‘ ص ٤۹۸۔ و جامع بيان العلم‘ ج۲‘ ص ۳۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور جو براہِ راست فیضانِ الٰہی سے وابستہ ہے۔ یہی علم یقینی اور قطعی ہے۔ اگرچہ عقلی علوم بھی جو کسی نہ کسی طرح اس علم یقینی سے فیض یاب ہوتے ہیں' اپنی جگہ لائق اعتماد ہیں''۔(۱۳)

امام صاحب نے دنیوی مصالح کو غایاتِ علم میں شامل کر کے ان توہمات کا ازالہ کر دیا ہے جو قدیم زمانے کے بعض صوفیہ کی جانب منسوب ہیں۔ اس سے دورِ جدید کے بعض عقلاء کے اس الزام کی بھی تردید ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے علم کو محض آخرت سے وابستہ کر رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تفریق یا تو پرانے راہبانہ خیالات کی اختراع ہے یا موجودہ مغرب کے مادی ذہن کی۔ اس کے برعکس مسلمانوں کا نقطۂ نظر کلی ہے' اس میں دین بھی ہے اور دنیا بھی۔ صحیح دین داری صحیح دنیاداری کی متقاضی ہے اور صحیح دنیاداری دین ہی کا ایک حصہ ہے۔(۱۴)

تعلیم کیا ہے؟

تعلیم کی اس اہمیت کے بعد یہ بتانا انتہائی ضروری ہے کہ تعلیم کیا چیز ہے اور معلّمِ اوّل ﷺ کے نزدیک اس کے اساسی اصول کیا ہیں؟ لفظ تعلیم کا مادہ علم (ع ل م) ہے جو جہل کی ضد ہے۔ علم کے معنی ہیں:

العلم ادراك الشيء بحقيقةٍ

''کسی شے کی حقیقت کا ادراک''۔(۱۵)

قرآن مجید میں لفظ علم مختلف اشتقاقی صورتوں میں ۷۷۸ مرتبہ وارد ہوا ہے۔ ان میں علم کی دونوں قسمیں شامل ہیں۔

علم کی تعریف

(۱) وہ علم جو ذاتِ باری کی صفت خاص ہے اور جو علیم' عالم اور علّام وغیرہ صورتوں میں موجود ہے۔

(۲) وہ علم جو مخلوق خصوصاً انسان کو بھی ارزانی ہوا ہے۔

قرآن مجید میں اس مادے کے اشتقاقات کی کثرت سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اسلام میں علم کو غیر معمولی بلکہ فوق الکلی اہمیت حاصل ہے۔ اسلامی ادبیات میں علم کا لفظ مختلف معانی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں علم کے ساتھ حکمت کی اصطلاح بھی آئی ہے۔ ظاہر ہے کہ حکمت میں علم سے زائد معانی موجود ہیں۔ امام غزالی نے احیاء میں علم کے ساتھ فضل کی اصطلاح کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ یہ علم سے زائد اور برتر حقیقت ہے۔ علم کے مرادفات میں ادراک' شعور اور معرفت جیسے الفاظ بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

علماء نے علم کی کسی قطعی اور جامع و مانع تعریف سے بالعموم احتراز کیا ہے۔ چنانچہ امام غزالی نے **المستصفٰی** میں اور الآمدی نے ابکار اور احکام میں یہی بات کہی ہے۔ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ علم کی تعریف کی کوشش لاحاصل ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ علم ایمان و ایقان اور ذوق و کشف کا نام ہے' جو ہوتا ضرور ہے مگر اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ مگر اس کے باوجود علم کی بے شمار تعریفیں کی گئی ہیں۔ ان تعریفات کے لیے

(۱۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ج ۱۳' بحوالہ احیاء للغزالی۔

(۱۴) حوالہ مذکورہ' ص ۴۶۵۔

(۱۵) مفردات امام راغب۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جدید ترین مآخذ روزنتال کی ''Knowledge Triumphant'' (مطبوعہ لائیڈن ۱۹۷۰ء) ہے۔ تعریفوں کی اس کثرت کا سبب نقطہ ہائے نظر کا اختلاف ہے — کہیں دینی' کہیں متکلمین کا' کہیں منطقیوں کا' کہیں حکماء کا' کہیں تصوف کا۔ ظاہر ہے کہ زاویہ نظر تعریف کو معین شکل دینے میں کارفرما ہوا کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں تعریف خود بخود مختلف ہو جاتی ہے۔

ان تفصیلات سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ مسلمانوں میں علم کی تحریک ان کے دینی منبع یعنی قرآن مجید سے پیدا ہوئی اور وہ انہی راستوں پر آگے بڑھی جو مسلمانوں نے مطالعہ قرآنی اور احکامِ الٰہی کی پیروی میں اختیار کیے۔ چنانچہ دینی علوم کے علاوہ مختلف دوسرے علوم مثلاً جغرافیہ' تاریخ' رجال اور نظری و تجربی علوم مثلاً سائنس و ریاضیات نیز علم الاشیاء مثلاً طبیعیات وفلکیات وغیرہ اسی رہنمائی کے رہین منت ہیں۔ مغربی علماء ایک زمانہ تک یہی کہتے رہے کہ انسانی علم کے بارے میں اسلام کا رویہ محض نظری اور داخلی ہے' یعنی عملی و تجربی نہیں۔ لیکن یہ خیال درست نہیں۔ اسلام میں علم کا مقصد جہاں معرفت ذات وصفاتِ باری ہے وہاں فلاح وخیر انسانی بھی ہے۔

روزنتال کا تعصب

یہ تصور قرآن مجید کی آیات سے مترشح ہوتا ہے' مگر اس کی اساسیات محض مادی نہیں۔ مغرب کے فلسفہ عملیت کے برعکس اس میں مادی فوائد کے علاوہ روحانی نفع اور آخرت کی خیر بھی شامل ہے۔ اسی طرح مشہور مصنف روزنتال نے ''Knowledge Triumphant'' میں جو بات تحریر کی ہے درست نہیں کہ اسلام نے علم پر یہ غیر معمولی زور عیسائیوں کے بعض دینی وعلمی رسائل کی بنا پر دیا ہے۔ اس لیے کہ موجودہ رسائل کی موجودگی کے باوجود عیسائیوں اور یہودیوں کی علمی تحریک اس زمانے میں اس انداز پر نہیں چلی جس پر مسلمانوں کے یہاں بڑھی اور پھیلی۔ اور اگر کوئی تھی بھی تو وہ اتنی زوردار نہ تھی کہ اس سے آنحضرت ﷺ اتنے اثر پذیر ہوئے ہوں جتنا کہ روزنتال نے ظاہر کیا ہے۔

یہ مغرب کی مادہ پرستی ہے کہ وہ علمِ لدنّی کا قائل نہیں' ورنہ انبیاء تو درکنار عام انسانوں کے علم کا ایک بڑا حصہ ہی ہدایتِ ربانی کا فیضان ہے۔ جس طرح خود حیات ایک فیضانِ الٰہی ہے' اسی طرح علم بھی فیضانِ الٰہی ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ حقیقت اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ علم انسانی سے مراد محض تصور ہی نہیں' اس کی تصدیق بھی اس میں شامل ہے۔ حواس سے محسوس کرنے کے بعد اسے پرکھنا' تجزیہ کرنا' حقیقت تک رسائی حاصل کرنا اور اس پر عمل کر کے اسے سعادتِ دارین کا ذریعہ بنانا غایت اصلی ہے۔

تعلیم کے اسلامی اصول

اسلام نے علم کا جو تصور دیا ہے اس میں سب سے بنیادی چیز یہ ہے کہ علم کا سرچشمہ ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ انسان کی ہدایت کا علم بھی اُسی کی طرف سے ہے۔ حواس اور عقل و تجربہ بڑے اہم ذرائع ہیں' لیکن وحی سب سے اعلیٰ ذریعہ علم ہے۔ نیز یہ کہ علم کا تعلق محض لوازمِ حیات ہی سے نہیں مقاصدِ حیات سے بھی ہے۔ یہی وہ تصور ہے جس سے ہمارے نظامِ تعلیم کا پورا مزاج بنتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلیم وتربیت کا باہمی تعلق

اسلام نے علم کا جو تصور دیا ہے اس میں تعلیم اور تربیت دونوں کو یکساں اہمیت دی گئی ہے اور ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے نظامِ تعلیم میں تعلیم اور سیرت سازی ایک ہی حقیقت کے دو پہلو رہے ہیں اور اس کا اظہار علم وفضل کی اصطلاح سے بھی ہوتا ہے جو علم اور نیکی اور اخلاقِ حسنہ میں بڑھے ہوئے ہونے کے مفہوم کو ادا کرتی ہے۔

تعلیم صرف تدریس عام ہی کا نام نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے ایک قوم خود آگہی حاصل کرتی ہے اور یہ عمل اس قوم کو تشکیل دینے والے افراد کے احساس وشعور کو نکھارنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ نئی نسل کی وہ تعلیم وتربیت ہے جو اسے زندگی گزارنے کے طریقوں کا شعور دیتی ہے اور اس میں زندگی کے مقاصد وفرائض کا احساس پیدا کرتی ہے۔ تعلیم ہی سے ایک قوم اپنے ثقافتی اور ذہنی ورثے کو آئندہ نسلوں تک پہنچاتی ہے اور ان میں زندگی کے ان مقاصد سے لگاؤ پیدا کرتی ہے جنہیں اس نے اختیار کیا ہے۔ تعلیم ایک ذہنی' جسمانی اور اخلاقی تربیت ہے اور اس کا مقصد اونچے درجے کے ایسے تہذیب یافتہ مرد اور عورتیں پیدا کرنا ہے جو اچھے انسانوں اور کسی ریاست کے ذمہ دار شہریوں کی حیثیت سے اپنے فرائض کو انجام دینے کی اہل ہوں۔ ہر دور کے ممتاز ماہرین تعلیم کے نظریات کا مطالعہ اسی تصورِ تعلیم کا پتا دیتا ہے۔

جان اسٹورٹ مل مغرب کے ان مشاہیر میں سے ہے جنہوں نے تعلیم اور تربیت کے باہمی لزوم کی نشاندہی کی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

> ''اپنے وسیع تر مفہوم میں تعلیم کی حدود بہت زیادہ ہیں۔ انسانی کردار اور صلاحیت پر پڑنے والی ان چیزوں کے بالواسطہ اثرات بھی اس کے دائرہ کار میں شامل ہیں' جن کے فوری مقاصد بالکل ہی دوسرے ہوتے ہیں''۔ (۱۶)

جان ملٹن تعلیم کی تعریف یوں کرتا ہے:

> ''میرے نزدیک مکمل اور شریفانہ تعلیم وہ ہے جو انسان کو بحالت جنگ وامن اپنی اجتماعی ونجی زندگی کے فرائض دیانت ومہارت اور عظمت کے ساتھ ادا کرنے کے لیے تیار کرتی ہے۔''

امریکی فلاسفر جان ڈیوی کے نزدیک تعلیم افراد اور فطرت سے متعلق بنیادی طور پر عقلی اور جذباتی رویوں کے تشکیل پانے کا عمل ہے۔

ڈاکٹر پارک کا خیال ہے کہ تعلیم رہنمائی یا مطالعہ سے علم حاصل کرنے اور عادات اختیار کرنے کا عمل یا فن ہے۔

پس تعلیم وہ مسلسل عمل ہے جس کے ذریعے نئی نسلوں کی اخلاقی' ذہنی اور جسمانی نشوونما بھی ہوتی ہے اور وہ اپنے عقائد وتصورات اور تہذیب وثقافت کی اقدار بھی اس سے اخذ کرتے ہیں۔ ماہرین تعلیم اس لفظ سے دو مفہوم مراد لیتے ہیں۔ وسیع تر مفہوم میں یہ صرف ان اثرات پر حاوی ہے جو اساتذہ کے ذریعے سکولوں' کالجوں اور دوسری درس گاہوں میں مرتب ہوتے ہیں۔ بہرکیف تعلیم ایک ہمہ گیر عمل ہے اور شاگرد کی زندگی کے تمام

(۱۶) *Inaugural Address as Rector of St.Andrew's University, 1867, Vide W.O. Lester Smith, Education, Pelican, 1958, p.9.*

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلوؤں پر اس کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک قوم کی زندگی کا انحصار ہی اس کی تعلیم پر ہے۔ ایک چینی کہاوت اس بات کی کتنی صحیح عکاسی کرتی ہے:

''تمہارا منصوبہ اگر سال بھر کے لیے ہے تو فصل کاشت کرو۔ دس سال کے لیے ہے تو درخت اگاؤ۔ دائمی ہے تو افراد پیدا کرو۔''

قرآن عزیز میں رسول کریم ﷺ کو آیات اور تعلیم کتاب وحکمت کے ذریعے تزکیہ نفوس کا جو مشن تفویض ہوا ہے اس سے تعلیم وتربیت کا باہمی ربط وتعلق بخوبی واضح ہوتا ہے۔

بامقصد تعلیم

تعلیم بجائے خود منزل نہیں' منزل کے حصول کے لیے ایک ذریعہ ہے۔ اے این وائٹ ہیڈ کہتے ہیں: ''تعلیم کی روح یہ ہے کہ وہ مذہبی ہو''۔ علامہ اقبال کا خیال بھی یہی تھا کہ اسلام ہماری زندگی اور تعلیم کا مقصد ہونا چاہیے۔ تعلیم کا اوّلین مقصد یہ ہونا چاہیے کہ طلبہ میں ان کے مذہب اور نظریہ حیات کی تفہیم و آگہی پیدا کرے۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ زندگی کا مفہوم اور مقصد' دنیا میں انسان کی حیثیت' توحید' رسالت' آخرت اور انفرادی اور اجتماعی زندگی پر ان کے اثرات' اخلاقیات کے اسلامی اصول' اسلامی ثقافت کی نوعیت اور ایک مسلمان کے فرائض اور اس کا مشن انہیں سمجھایا جائے۔ انہیں بتایا جائے کہ وہ کس طرح اعلیٰ مقاصد کے لیے دنیا کی قوتوں کو استعمال کریں۔ تعلیم کے ذریعے ایسے افراد پیدا کرنے چاہئیں جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے بارے میں اسلامی نظریات پر بھرپور یقین کے حامل ہوں اور اسے ان کے اندر ایک ایسا اسلامی نقطہ نظر پیدا کرنا چاہیے کہ وہ زندگی کے ہر میدان میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنا راستہ خود بنا سکیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''لوگوں میں سے درجۂ نبوت کے قریب تر اہل علم اور مجاہدین ہیں۔ اہل علم اس لیے کہ انہوں نے لوگوں کو وہ باتیں بتائیں جو رسول کریم ﷺ لائے تھے اور مجاہدین اس لیے کہ انہوں نے پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعت پر اپنی تلواروں سے جہاد کیا''۔(۱۷)

مشہور اہل قلم والٹر لپ مین نے ایک تقریر میں کہا تھا:

''سکول اور کالج دنیا میں ایسے افراد بھیجتے رہے ہیں جو اس معاشرے کے تخلیقی اصولوں کو نہیں سمجھ پاتے جس میں انہیں رہنا ہے۔ اگر یہی نہج رہی تو موجودہ تعلیم آخر کار مغربی تہذیب کو تباہ کر دے گی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ تباہ کر رہی ہے''۔(۱۸)

''طلبہ اپنی زندگی کا کوئی مقصد ومفہوم چاہتے ہیں۔ اگر ان کا زمانہ' ان کی ثقافت اور ان کے رہنما انہیں کوئی عظیم مفہوم' مقاصد وتصورات نہ دیں تو پھر وہ اپنے نئے حقیر اور فرومایہ مقاصد متعین کر لیتے ہیں''۔(۱۹)

(۱۷) احیاء علوم الدین للغزالی' ج ۱' باب العلم۔

(۱۸) *Everyman's Library, P.46, by Milton. John.*

(۱۹) *Dewey, John, Democracy and Education, quoted by Hughes, A.G. and Hugho, E.G. Education, some educational problems, Longman's London, 1960,p.81.*

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلیم کے پس منظر کے مکمل جائزے کے بعد پروفیسر ہیرلڈ ایچ این ٹیٹس لکھتے ہیں:

''تعلیم نے اپنے آپ کو ماضی کے روحانی ورثے سے الگ کر لیا ہے مگر اس کا کوئی مناسب بدل دینے میں ناکام رہی ہے۔ نتیجتاً پڑھے لکھے افراد بھی ایمان وایقان سے' زندگی کی اقدار کے صحیح احساس سے' اور دنیا کے بارے میں کسی ناقابل شکست ہمہ گیر نقطہ نظر سے عاری ہیں۔'' (۲۰)

ان خیالات سے پتا چلتا ہے کہ مغرب میں بھی بے مقصد تعلیم کا نظریہ دم توڑ رہا ہے۔ مغرب کے اکثر ماہرین تعلیم اور علمائے عمرانیات یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ تہذیب وتمدن کی ترقی اور ثقافت کے تحفظ کی راہ میں یہ نظریہ کس قدر نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔

دین اسلام میں علم برائے علم کا تصور سرے سے موجود ہی نہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

﴿وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ﴾ (البقرۃ:۱۰۲)

''وہ کچھ ایسے (منتر) سیکھتے جو ان کو نقصان ہی پہنچاتے اور فائدہ کچھ نہ دیتے۔''

آنحضرت ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ))(۲۱)

''اے اللہ! میں بے فائدہ علم سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

علی الہجویریؒ نے ابوعلی ثقفیؒ کا قول نقل کیا ہے:

العلم حیاۃ القلب من الجهل ونور العين من الظلمة

''علم جہالت سے بچا کر دل کو زندگی عطا کرتا اور تاریکی سے بچنے کے لیے نور چشم کا کام دیتا ہے۔''

پھر فرمایا: **العلم حجاب الاکبر**(۲۲) ''علم بڑا حجاب ہے''۔ یہ ان لوگوں کے بارے میں فرمایا جو صرف رسمی علوم کو کافی سمجھتے ہیں اور معرفت سے دور رہتے ہیں۔ علی الہجویری **کشف المحجوب** میں مزید فرماتے ہیں:

''انسانی عمر کوتاہ ہے' اس لیے صرف ایسے علوم سیکھے جائیں جن سے معرفت خداوندی حاصل ہو اور مخلوقِ خدا کے کام آئیں۔''

دین اسلام کی نگاہ میں علم کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ نیکیاں پھلیں پھولیں' انسانوں کی فلاح وسعادت کے سامان مہیا ہوں اور کلمۃ اللہ تمام عالم پر چھا جائے۔ بے نفع علم اور بے عمل علم حکمت قرآنی کے خلاف ہے۔ انہی مقاصد کے پیش نظر اسلام کی علمی تحریک نے عالمگیر اثرات پیدا کیے اور باوجودیکہ بیرونی حملہ آوروں نے بار بار اس تحریک کو تہ وبالا کیا' مگر قرآن مجید کے گہرے نفوذ کی وجہ سے یہ تحریک ہر بار خود کو ازسرنو منظم کرنے میں کامیاب ہوجاتی رہی۔ یہاں تک کہ حملہ تاتار کی تباہ کن یلغار نے اگرچہ مسلمانوں میں تجربہ اور سائنسی وریاضیاتی تحریک کو بالکل ختم کر دیا اور ہزاروں سائنس دان اور ان کے معمل (laboratories) برباد ہو گئے' تاہم

---

(۲۰) *Park, De. Joe, Introduction, New York, 1958, p.3 .*

(۲۱) صحیح مسلم' کتاب الذکر۔

(۲۲) کشف المحجوب۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کی علمی تحریک جدید مغربی غلبے کے آغاز تک شائستگی کردار اور عمومی فلاح و سعادت کا بہت بڑا وسیلہ ثابت ہوئی اور مغرب نے اس سے بہت کچھ سیکھا۔ سورۃ الحدید' آیت ۲۵ میں ارشاد ہوا:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ﴾

''ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی ہوئی نشانیاں دے کر بھیجا اور ہم نے ان پر کتاب اور میزان (عدل) نازل کی تا کہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں۔''

اسلامی تہذیب و ثقافت کے پس منظر میں تعلیم کا بنیادی مقصد ان پیغمبرانہ فرائض کی بجا آوری اور انسانوں کو اس مشن اور مقصد کی تعلیم دینا' ان میں اس مذہب کی سچی روح پیدا کرنا اور انہیں ایک مکمل اور صحت مند زندگی کے لیے تیار کرنا ہے۔ یہ مقصد تعلیم کے ہر گوشے میں اسلامی نظریہ حیات کی روح جاری و ساری کرنے سے حاصل ہوگا۔ نئی کتابوں کی ترتیب و تدوین بھی اسی نقطۂ نظر سے کی جانی ہوگی۔ اس کے لیے تمام تعلیمی سرگرمیوں کی تشکیل نو اور ایک ایسے ماحول کی تشکیل بھی کرنا ہوگی جو ان مقاصد کے حصول میں ممد و معاون ثابت ہو۔

بے مقصد تعلیم اجتماعی تصورات پیدا کرنے میں ناکام رہی ہے۔ جب کوئی قوم ان اجتماعی تصورات کے شعور سے بے بہرہ ہو جائے جو اسے عمل اور قربانی پر ابھارتے ہیں' تو تاریخ پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی ہے۔ ایسی اقوام جو کسی اجتماعی نظریے کے زندہ شعور سے عاری ہو جائیں اور جنہوں نے کسی اعلیٰ اور برتر نصب العین کے لیے جینا اور مرنا نہ سیکھا ہو وہ تاریخ علم میں کوئی بڑا کارنامہ تو کیا انجام دیں گی' اپنے وجود تک کو برقرار نہیں رکھ سکتیں۔ تاریخ میں ایسی مثالوں کی کمی نہیں ہے کہ جب کسی قوم نے اپنی منزل کا شعور کھو دیا تو وہ نقش پا کی طرح مٹا دی گئی۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ۔

مرگِ فرد از خشکیٔ رودِ حیات
مرگِ قوم از ترکِ مقصودِ حیات

بے مقصد تعلیم نئی نسل کے قلب و روح میں اخلاقی اقدار کے اُجاگر کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ اس کا تعلق صرف دماغ کے مطالبات سے ہوتا ہے۔ روح کے مطالبات سے یہ بےگانہ وار گزر جاتی ہے۔ دونوں کی نشو و نما دو متضاد سمتوں میں ہوتی ہے' جس کا نتیجہ ایک زبردست قومی نقصان کی صورت میں نکلتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم اس وقت حقیقی دوست اور رہنما کا کام کر سکتا ہے جب اس کا محور دل ہو۔ ورنہ صرف تن پرستی کے چکر میں یہ انسان کے لیے سانپ جیسا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی یارے بود!

سچی بات یہ ہے کہ بے مقصد تعلیم ایسے افراد پیدا کرتی ہے جو زندگی کے بنیادی' حقیقی' واقعی اور زندہ مسائل پر کوئی عبور نہیں رکھتے۔ عملی زندگی کے بارے میں ان کا علم اس قدر سطحی سا رہ جاتا ہے کہ اس کی کوئی ٹھوس افادیت باقی نہیں رہتی۔ قومی نقطہ نظر سے یہ تعلیم مفید نتائج حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے۔ ڈاکٹر فریک ایڈیلوٹ نے امریکی تعلیم کے بارے میں کہا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''مقاصد کے بجائے تکنیک اور ذرائع سے وابستگی ادب' فلسفہ' تاریخ اور مذہب کے مطالعے کو حقیقی آزادی سے محروم کر رہی ہے۔''

تعمیر سیرت و کردار

تعلیم میں سب سے زیادہ اہمیت طالب علم کے کردار کی تشکیل کو حاصل ہونا چاہیے۔ اسلام میں نیک اعمال اوّلین اہمیت کے حامل ہیں۔ قرآن مجید میں ایمان اور عمل صالح کی بیک وقت تلقین کی گئی ہے اور نبی اکرم ﷺ کے بنیادی مشن میں تزکیہ یعنی انسانی زندگی اور روح کی تطہیر شامل ہے اور اسے اوّلیت حاصل ہے۔ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ کردار کے بنیادی رجحانات کی اساس زندگی کے ابتدائی دور ہی میں پڑ جاتی ہے اور سکول اور کالج ایک انسان کے کردار کی تعمیر میں اہم حصہ ادا کر سکتے ہیں۔ یہ کام تعلیم کا ہے کہ وہ انسانی کردار کو ایک خاص سانچے میں ڈھال دے۔ امام غزالی لکھتے ہیں:

''تعلیم کا مقصد یہی نہیں ہونا چاہیے کہ نوجوان ذہن کے علم کی پیاس بجھا دے بلکہ اس کے ساتھ ہی اسے اخلاق و کردار اور اجتماعی زندگی کے اوصاف نکھارنے کا احساس بھی پیدا کرنا چاہیے۔'' (احیاء للغزالی)

ہمارے سامنے انسانی زندگی کا مثالی نمونہ رسول اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ ہے' جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:۲۱)

''تمہارے لیے رسول کریم ﷺ کی ذات میں ایک عمدہ نمونہ ہے۔''

تعلیم کے تمام مراحل پر طلبہ کو رسول اکرم ﷺ اور ان کے صحابہ کی مثالی زندگیاں پڑھائی جانی چاہئیں۔ استاد کو خود اپنی زندگی اور اپنے کردار اور عمل سے طالب علم میں نیک زندگی اختیار کرنے کا جذبہ پیدا کرنا چاہیے۔ اور درس گاہوں کا ماحول بھی ایسا ہونا چاہیے کہ اس سلسلے میں ممد و معاون ہو سکے۔ رسول اکرم ﷺ نے مردم سازی اور آدم گری کا کام اس سطح سے شروع کیا جہاں سے کسی نبی یا مصلح کو نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس لیے کہ عام طور پر دیگر انبیاء کی قوموں میں معاشرتی سطح زمانۂ جاہلیت سے بہت بلند تھی۔ اس کے باوجود آنحضرت ﷺ نے اپنے اس عظیم کام کو اس سطح تک پہنچا دیا جہاں تک کسی نبی کا عمل نہیں پہنچا تھا۔ آپ نے اس سطح سے کام شروع کیا جہاں حیوانیت کی انتہا اور انسانیت کی ابتدا ہوتی تھی اور اس اعلیٰ سطح تک پہنچا دیا جو انسانیت کی انتہائی منزل ہے اور جس کے بعد نبوت کے سوا کوئی اور درجہ نہیں' جسے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ختم کر دیا گیا۔

رسول کریم ﷺ نے اپنی تعلیم و تربیت کے ذریعے ایسے صالح افراد پیدا کیے جو اللہ پر ایمان رکھنے والے' دین دار و امانت دار' دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والے اور مادیت کے مظاہر کو نظرِ حقارت سے دیکھنے والے تھے۔ انہی اینٹوں سے اسلامی معاشرہ کی عمارت بنی تھی اور اسلامی حکومت انہی بنیادوں پر قائم ہوئی تھی۔ رسول کریم ﷺ کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں قائم ہونے والا یہ معاشرہ جسے آپ کی تربیت نے کندن بنا دیا تھا' انسانیت کی پوری تاریخ میں بہترین انسانی معاشرہ ثابت ہوا جو تمام انسانی محاسن کا جامع تھا۔ اس معاشرے کا تعارف اس کے ایک فرد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بڑے بلیغ اور معنی خیز الفاظ میں اس طرح کرایا ہے:

''وہ لوگ تمام لوگوں میں پاکیزہ ترین دل' عمیق ترین علم اور کم سے کم تکلف والے تھے۔ ان کو اللہ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے نبی کی صحبتِ بابرکت اور دین کی سربلندی ونصرت کے لیے منتخب فرمایا تھا۔'' (مسند دارمی)

تکمیلِ حیات

رسول کریم ﷺ نے اپنی تعلیم وتربیت کے ذریعے صحابہ کے اذہان وقلوب میں اس حقیقت کو جاگزیں کیا کہ اسلام زندگی اور اس کی مسرتوں کو ترک کرنے کا نام نہیں' بلکہ وہ ان کی تکمیل کا داعی ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہماری تعلیم کو ہمارے نوجوانوں کو زندگی اور اس کے مطالبات کی تکمیل کے لیے تیار کرنا چاہیے۔ انہیں زندگی گزارنے کے طریقوں کی تربیت دینی چاہیے اور معاشرے کی گوناگوں ضروریات کو پورا کرنے کے لائق بنانا چاہیے۔

اسلام رہبانیت کا قائل نہیں اور چاہتا ہے کہ انسان زندگی کی کشاکش کے درمیان حق وانصاف کے ساتھ اپنی زندگی گزار دے۔ قرآن ہمیں دنیا اور آخرت دونوں کے فلاح وبہبود کی تلقین کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ان لوگوں کو سختی سے خبردار کیا گیا ہے جو اس کی عنایات سے لطف اندوز ہونے سے انکار کرتے ہیں۔

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ﴾ (الاعراف: ۳۱)

''آپ فرمائیے کہ کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کے لیے اور (کس نے حرام کیے) لذیذ پاکیزہ کھانے؟''

اسلام کی نظر میں انسانی محنت ومشقت نہایت ہی قابل قدر ہے۔ اسلام ہر فرد کو اپنی روزی خود کمانے کے قابل بناتا ہے۔ پس تعلیم کو دیانت دارانہ' منصفانہ اور معقول معاش کے حصول میں ممد ومعاون ہونا چاہیے۔ علاوہ ازیں تعلیم کو معاشرے کی اقتصادی' سماجی' سائنسی اور فنی ضروریات پوری کرنی چاہئیں۔ ان ضروریات کو نہ صرف یہ کہ نظر انداز نہیں کرنا چاہیے بلکہ تعلیم کو ان کی تکمیل کے لیے مثبت طور پر کام کرنا چاہیے۔ تعلیم میں اتنا عملی عنصر ضرور ہونا چاہیے کہ ہر فرد معاشی استحکام حاصل کر سکے۔

تعلیم عہدِ رسالت میں

مذکورہ صدر تفصیلات کے بعد اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ معلّمِ اوّل ﷺ نے تعلیم کے سلسلہ میں کس طرز وانداز کو اپنایا۔ نیز یہ کہ تعلیم کی تاریخی روایت عہد رسالت میں کن مراحل وادوار سے گزر کر پروان چڑھی۔

ظہور اسلام سے پہلے قبیلہ قریش میں صرف سترہ (۱۷) افراد ایسے تھے جنہیں لکھنا پڑھنا آتا تھا۔ نئے مذہبی اور سیاسی نظام کی ضروریات کے پیش نظر تعلیم یافتہ افراد کی شدید ضرورت تھی۔ چنانچہ آغازِ اسلام کے وہ مسلمان جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے' رسول کریم ﷺ کے کاتبانِ وحی مقرر کیے گئے۔ تعلیمی خدمات کے سلسلہ میں غیر مسلموں کی خدمات سے بھی گریز نہ کیا گیا۔ چنانچہ غزوۂ بدر کے چند قیدیوں کو اس شرط پر رہا کیا گیا کہ فدیہ کے طور پر مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔[۲۳]

آپ ہی نے پہلی منظم تعلیم گاہ مدینہ منورہ میں قائم فرمائی۔ صُفّہ نامی چبوترہ پہلا مدرسہ تھا اور اصحابِ صفہ اولین تلامذہ تھے۔ یہ اولین مدرسہ اب مسجد نبوی کے اندر شامل کر لیا گیا ہے۔ اس مدرسے میں ستّر اسّی کے قریب

---

(۲۳) فتوح البلدان بلاذری' ص ۱٤۷۔ والکامل للمبرد' ج ۱' ص ۱۷۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طلبہ تھے۔ انہوں نے دینی مشاغل کو خیر باد کہہ کر اپنے آپ کو تحصیلِ علم کے لیے وقف کر دیا تھا۔ حضور ﷺ کے علاوہ دوسرے صحابہ کبار بھی یہاں معلّم کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے تھے۔ اصحابِ صفہ میں سے ایک یعنی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ مالی امور کے نگران تھے اور عطیات کی تقسیم کا کام ان ہی کے سپرد تھا۔ ان متعلمین میں سے مختلف افراد اسلامی حکومت کی مختلف خدمات کے لیے مامور کر دیے جاتے تھے اور تعلیم و تبلیغ کے لیے تو خصوصیت سے انہی اصحاب کو بھیجا جاتا تھا۔ اپنی مالی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے یہ طلبہ خود بھی محنت کرتے اور کماتے۔ دوسرے اہل ثروت مسلمان بھی ان طلبہ اور ان کے متعلمین کی مقدور بھر مدد کرتے تھے۔ خود حضور اکرم ﷺ بھی ان کی مدد فرمایا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہودیوں کی زبان عبرانی سیکھنے کا حکم دیا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے فارسی زبان کسریٰ کے قاصد سے، رومی رسول اللہ ﷺ کے حاجب سے اور حبشی و قبطی آپؐ کے خادم سے سیکھی تھی۔ اس سے عربوں میں دوسری زبانیں سیکھنے کا رواج پیدا ہوا۔ کتب حدیث میں یہ روایت ملتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے مختلف زبانیں بولنے والے بہت سے غلام تھے اور وہ ان سب سے ان کی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ (۲۴)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ابتدائی دور میں احادیث کی کتابت کا آغاز ہو گیا تھا۔ تابعین کے زمانہ میں اس کا دائرہ اور زیادہ وسیع ہو گیا۔ چنانچہ سابق الذکر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے علم وراثت میں ایک کتاب تالیف کی تھی۔ بکثرت صحابہؓ نے احادیث کے مجموعے مرتب کیے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے ایک کتاب میں مرتب کیے۔ ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ حرہ کے حادثہ فاجعہ میں میرے والد کی فقہ کی چند کتابیں جل گئیں جو مجھے اپنے اہل و عیال اور مال و دولت سے عزیز تر تھیں۔ حرہ کا واقعہ ۶۳ ہجری میں پیش آیا، اس لیے یہ کتابیں لازمی طور پر اس سے پہلے مرتب ہو چکی ہوں گی۔

مذکورہ صدر بیانات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ خلفائے راشدین ہی کے زمانہ میں تالیف کتب اور تدوین علوم کا آغاز ہو گیا تھا اور دورِ جاہلیت کی طرح محض حافظہ پر اعتماد باقی نہیں رہا تھا۔ کاغذ کے حصول میں جو مصر میں کسی پودے کے گودے سے بنتا تھا، جس قدر سہولت ہوتی گئی اسی قدر علمی کتابیں زیادہ پھیلنے لگیں۔ آغازِ اسلام میں چمڑے کے ٹکڑوں پر لکھا جاتا تھا۔ چنانچہ یہودِ خیبر کے ساتھ آنحضور ﷺ کا معاہدہ اور کسریٰ کے نام آپؐ کا نامۂ مبارک چمڑے پر تحریر کیے گئے تھے۔ جب تک کاغذ کا رواج نہیں ہوا تھا اُس وقت تک مصاحف (قرآن مجید) ہرن کی کھال پر لکھے جاتے تھے۔ جس قدر تالیف و تدوین کے اسباب و وسائل فراہم ہوتے گئے اسی قدر قُراء، حُفّاظ، اُدباء، رواۃ اور لغویوں (زبان دانوں) کی تعداد بڑھتی گئی۔ مختلف شہروں میں میدانِ علم میں مسابقت شروع ہو گئی اور ہر شہر اسلامی ثقافت کی تحصیل کے لیے سبقت کرنے لگا۔

اس طرح حضور ﷺ نے اسلامی مملکت میں تعلیم کی نہج قائم کی۔ جو روایت اس میں قائم ہوئی اس کی نمایاں خصوصیات حسب ذیل تھیں:

(۱) مدینہ طیبہ کے اوّلین مدرسہ نبوت میں صرف دینی تعلیم دی جاتی تھی۔ نصاب تعلیم میں کتاب و سنت مرکز و

(۲۴) مستدرك حاكم، حالات ابن زبیر۔ عقد الفريد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محور کی حیثیت رکھتے تھے۔

(۲) تعلیم کا مقصد اچھا مسلمان اور داعی الی الحق بنانا اور مسلم معاشرے کی ضروریات کو پورا کرنا تھا۔

(۳) رسول کریم ﷺ نے تعلیم اور مسجد کا تعلق قائم کیا۔ مسجد دینی محور‘ سیاسی مرکز اور تعلیم گاہ قرار پائی اور اس کے ذریعے طالب علم ایک مخصوص ثقافتی ورثے کے امین بنے۔

(۴) متعلمین کے لیے اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے خود محنت مزدوری کرنا اور مختلف صنعتوں کو سیکھنا اور ان سے وابستہ ہونا مستحسن اور پسندیدہ قرار پایا۔

(۵) تعلیم کی آخری ذمہ داری مسلمان معاشرے اور اسلامی ریاست پر عائد ہوتی ہے اور اسے اس مقصد کے لیے اپنے وسائل استعمال کرنے چاہئیں۔ مسلمانوں کی قومی آمدنی اور بیت المال پر اولین حق زیر تعلیم طلبہ اور ان پر اٹھنے والے جملہ مصارف کا ہے۔

اب ان نکات کی تھوڑی سی تفصیل بیان کی جاتی ہے:

تعلیم اور مسجد کا تعلق

جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا گیا آغازِ اسلام میں مسجد کو درس گاہ کی حیثیت حاصل تھی اور یہ حیثیت عرصہ دراز تک اگلے تاریخی ادوار میں بھی قائم رہی۔ چونکہ ابتدائی چند صدیوں میں مسلمانوں کی تعلیم علوم دینیہ تک محدود رہی‘ اس لیے مساجد جو عبادت گاہیں بھی تھیں‘ اس کام کے لیے موزوں تصور کی گئیں۔ رسول اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ جاتے ہوئے شہر سے باہر مسجد کی بنا ڈالی۔ یہ اسلام میں اولین مسجد تھی۔ جب حضور ﷺ مدینہ پہنچے تو آپ نے المربد میں مسجد نبوی کی بنیاد رکھی۔ اسی مسجد میں آپؐ نے صحابہ کو تعلیم دینے کا آغاز کیا۔(۲۵)

مساجد اس زمانے میں سیاست کے مراکز تھیں‘ انصاف کی عدالتیں تھیں‘ تعلیمی درسگاہیں تھیں۔ جوں جوں اسلام پھیلتا جا رہا تھا‘ مسجد کی بنا لازمی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بصرہ‘ کوفہ‘ شام اور مصر کے گورنروں کو ہدایات بھیجی تھیں کہ کم از کم ایک جامع مسجد ہر شہر میں تعمیر کی جائے تاکہ سب لوگ جمعہ کی نماز وہاں پڑھا کریں۔ چنانچہ مساجد کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھنے لگی۔ مؤرخ یعقوبی کا دعویٰ ہے کہ اس نے تیسری صدی ہجری میں صرف بغداد میں تیس ہزار مساجد شمار کیں۔(۲۶)

تعلیم کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل مساجد نے عالمگیر شہرت حاصل کی۔

(۱) جامع المنصور: بناء بغداد کے بعد ۱۴۵ھ میں اس جامع کی تعمیر شروع ہوئی۔ اس منصوبہ پر اٹھارہ کروڑ دینار صرف ہوئے۔ یہ مسجد ایک نہایت ہی اعلیٰ مدرسہ تھا اور تمام اہل علم کا مرکز تھا۔ یہ اتنا عظیم المرتبت تھا کہ خطیب بغدادی نے حرم شریف میں جن تین باتوں کے لیے دعا مانگی تھی ان میں سے پہلی بات یہ تھی کہ انہیں اس مدرسہ میں پڑھانے کا موقع نصیب ہو۔ پانچویں صدی ہجری میں حنبلی طلبہ نے اس مدرسہ کو اپنی سرگرمیوں اور تعلیم

(۲۵) ابن هشام‘ ج۲‘ص ۱۱۔ الطبری‘ ص ۱۲۵۹۔ فتوح البلدان بلاذری‘ ص ۲۰۔

(۲۶) الخطط مقریزی‘ ج۲‘ ص ۲۱۶۔ حسن المحاضرة للسیوطی‘ ج۲‘ ص ۱۴۹۔ یعقوبی‘ص ۲۵۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا مرکز بنا لیا تھا۔ مشہور نحوی الکسائی بھی اس میں درس دیا کرتے تھے اور ان کے درس میں الفراء' الاحمر اور الاخفش کے درجہ کے لوگ شرکت کیا کرتے تھے۔ (۲۷)

(۲) جامع دمشق: اس جامع کا شمار قرونِ وسطیٰ کے چار عجائبات میں کیا جاتا ہے۔ اس مسجد کی تعمیر میں خلیفہ ولید بن عبدالملک نے اپنی سلطنت کے سالانہ محاصل سے سات گنا رقم صرف کی۔ مسجد کی تعمیر میں آٹھ سال صرف ہوئے۔ اس کی تعمیر سے متعلق کاغذات اٹھارہ اونٹوں پر لاد کر بھیجے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص وہاں سو سال بھی قیام کرے تو روز ایک نہ ایک نئی چیز اس کے مشاہدہ میں آئے گی۔ یہ مسجد ایک تعلیمی مرکز تھی۔ مشہور سیاح ابن جبیر کا بیان ہے کہ اس مسجد میں درس کے متعدد حلقے قائم تھے اور اساتذہ کے لیے معقول مشاہرہ کے علاوہ خورد ونوش کا بھی انتظام تھا۔ مالکی طلبہ مغربی گوشہ میں مالکی علماء سے سبق لیتے تھے۔ داخلی دروازہ کے بائیں جانب ایک شافعی مدرسہ تھا۔ خطیب بغدادی کا حلقہ درس بہت وسیع تھا جہاں بے شمار سامعین ہوتے تھے۔ (۲۸)

(۳) جامع عمر: اس مسجد کی تعمیر ۲۱ھ میں ہوئی اور بعد ازاں متعدد بار توسیع کی گئی۔ المقریزی کے عہد تک اس مسجد میں بڑے بڑے فضلاء درس دیا کرتے تھے۔ اس کے ایک گوشہ میں امام شافعی طلبہ کو پڑھایا کرتے تھے۔ اس میں ادبی مجالس بھی منعقد ہوا کرتی تھیں۔

غرض یہ کہ اس عہد میں مساجد ہی عربوں کے مختلف علوم کا مرکز تھیں۔ مساجد میں ادبی تحقیق کا کام بھی ہوا کرتا تھا۔ مشہور تابعی سعید بن المسیبؒ مدینہ کی مسجد میں عربی شاعری پر بحث کیا کرتے تھے۔ ابن طولون کی مسجد میں تفسیر' حدیث' فقہ اور علم ہیئت پر تحقیقی کام ہوا کرتا تھا۔ عبداللطیف بغدادی بیان کرتے ہیں کہ میں جامع ازہر میں صبح وشام درس دیا کرتا تھا۔ دوپہر کو ایک طبیب آتے اور علم طب پر لیکچر دیا کرتے تھے۔ (۲۹)

ادوارِ مابعد میں تعلیم

عروجِ اسلام کے ساتھ ساتھ طلبہ کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ تعلیمی حلقوں میں اضافہ کی وجہ سے مساجد میں نماز کے اوقات میں گڑبڑ واقع ہونے لگی۔ عبادت گاہوں میں شور وشغب کی گرم بازاری رہتی' جبکہ مسجد میں خاموشی اور تقدس کا لحاظ ضروری تھا۔ ان حالات میں تعلیم کا مسجد سے مدرسہ کی طرف منتقل ہونا قدرتی بات تھی۔ مشہور مستشرق وان کریمر رقم طراز ہیں:

> ''علم کی توسیع وترقی کے باعث ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی تھی جس کے لیے محض علمی فضیلت کی خاطر معقول زندگی بسر کرنا دشوار ہوگیا تھا۔ علم کی مزید توسیع اور ان حضرات کے لیے وظائف کا انتظام کرنے کی غرض سے مدرسے قائم کیے گئے۔'' (۳۰)

---

(۲۷) معجم الادباء' یاقوت' ج۱' ص ۲۴۶ نیز ج۴' ص ۲۷۳۔

(۲۸) معجم البلدان' یاقوت' ج۴' ص ۷۶۔ الرحلتہ لابن جبیر' ص ۲۷۲۔ معجم الادباء' یاقوت' ج۱' ص ۲۰۰۔

(۲۹) اللغانی' ج۱۵' ص ۱۱۳۔ ابن ابی اصیبعہ' ج۲' ص ۲۰۷۔ المقریزی' ج۱۵' ص۲۶۴۔

(۳۰) اسلامک سویلائزیشن' ص ۲۵۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدارس

یہ مسلمانوں کے تعلیمی نظام کا پہلا دور ہے۔ پہلی چار صدیوں میں تعلیم کا یہی نظام رائج تھا۔ یہ نظام اتنا مستحکم اور ہمہ گیر تھا کہ گھر گھر تعلیم پھیل رہی تھی۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں اس دور کے پانچ لاکھ علماء کے مفصل حالات ملتے ہیں جو مساجد میں تعلیم دیا کرتے تھے۔

دوسرے دور کا آغاز پانچویں صدی کے اوائل سے ہوتا ہے۔ اس میں مساجد کے علاوہ بڑے وسیع پیمانے پر سکونتی مکانات بھی ہوا کرتے تھے۔ غالباً سب سے پہلا مدرسہ جس کی اپنی عمارت، سرکاری گرانٹ اور وقف املاک برائے علم اخراجات اور مرتبہ نصاب تعلیم وغیرہ تھے، سلطان محمود غزنوی نے اپنے پایۂ تخت غزنی میں ۴۱۰ھ مطابق ۱۰۱۹ء میں قائم کیا۔ ابوالقاسم فرشتہ لکھتا ہے:

> ’’مسجد سے ملحق ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا۔ اس کے کتب خانے کو نادر الوجود کتب سے آراستہ کیا۔ مسجد و مدرسہ کے اخراجات کے لیے بہت سے دیہات وقف کیے۔‘‘(۳۱)

محمود غزنوی نے اپنی پوری مملکت میں بے شمار مدرسے قائم کیے۔ اس کے زیر اثر دوسرے امراء اور ارکانِ دولت نے بھی یہ خدمت انجام دی۔ تاریخ نے محمود غزنوی کو اس کے عسکری حملوں کی وجہ سے تو یاد کیا ہے، لیکن علم کی دنیا میں جو انقلاب آفریں اقدام اس نے کیا اس کا قرار واقعی اعتراف نہیں کیا گیا۔ اسے تاریخ کی ستم ظریفی نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟

دوسرا اہم مدرسہ جس نے تاریخ میں اپنا نام پیدا کیا دولت سلجوقیہ کے مشہور وزیر اعظم نظام الملک طوسی (المتوفی ۴۸۵ھ) کا قائم کردہ مدرسہ نظامیہ بغداد ہے، جسے امام الحرمین اور امام غزالی جیسے صدر مدرسین حاصل ہوئے اور جس نے تاریخ پر اپنے اَنمٹ نقوش چھوڑے۔ اس کے بعد مدارس کی ایک رو چل پڑی اور ساری اسلامی قلمرو میں ان کا جال بچھ گیا۔ ان میں ایسے عظیم الشان مدارس بھی تھے جن کے تحت متعدد مدارس کام کرتے تھے اور ان کی حیثیت آج کی اصطلاح میں یونیورسٹی کی سی تھی۔ ان تمام مدارس میں عوامی تعلیم مفت تھی۔ یہ ایک ایسا نظام تھا جس کی نظیر کسی دوسرے تمدن میں نہیں ملتی۔(۳۲)

اسلامی نظام تعلیم کی خصوصیات

نبی اکرم ﷺ کی تعلیمی پالیسی کے پیش نظر مسلمانوں میں جس نظامِ تعلیم نے رواج پایا اس کے نمایاں خدوخال حسب ذیل تھے:

(۱) یہ نظام تعلیم خالص عوامی تھا۔ حکومتیں تعلیم کے فروغ کے لیے کثیر روپیہ خرچ کرتی تھیں، لیکن کسی زمانہ میں بھی تعلیم کا نظام حکومت کے تابع نہ تھا۔ کوئی ایک محکمہ ایسا نہ تھا جو تعلیمی اداروں پر حکومت کی طرف سے نگرانی رکھتا ہو۔ مسلمانوں نے اپنے پورے دور حکومت میں کبھی بھی نصابِ تعلیم کو حکومت کے تابع نہیں

---

(۳۱) تاریخ فرشتہ، ج ۲، حالات سلطان محمود غزنوی۔

(۳۲) الروضتين ج ۱، ص ۲۵۔ طبقات الشافعية الكبرىٰ، ج ۳، ص ۱۳۷۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا۔ ہر مدرسہ اپنا نظام چلانے کے لیے آزاد تھا‘ حتیٰ کہ وہ مدارس جو صرف سرکاری خزانے سے قائم ہوتے تھے‘ وہاں بھی اساتذہ آزاد تھے۔ مگر تعجب ہے کہ سرکاری مداخلت نہ ہونے کے باوجود نظامِ تعلیم میں غیر معمولی ہم آہنگی اور مطابقت پائی جاتی ہے‘ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ہماری ثقافتی قوتوں کی گرفت معاشرے پر اتنی مضبوط تھی کہ بالکل فطری انداز میں تعلیم میں یگانگت اور یک رنگی پیدا ہوئی۔ اس آزادی کے باوجود اس طرح کی فطری یگانگت کی مثال دنیا کے کسی دوسرے تمدن میں نہیں ملتی۔

(۲) یونان میں آزادی تھی مگر انہوں نے تعلیم کو ایک ذہنی ورزش بنا دیا تھا۔ چین میں تعلیم پر خاندان اور حکومت دانوں کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ ہندو تہذیب میں عمومی تعلیم کا تصور ہی نہ تھا‘ بلکہ ہند میں تعلیم پر پنڈتوں کی اجارہ داری تھی۔ لیکن مسلمانوں نے ریاست کی طرف سے تعلیم کی حوصلہ افزائی اور غیر معمولی مالی اعانت کے باوجود ایک بالکل آزاد تعلیمی نظام قائم کیا‘ جس میں تعلیم کا محور استاد تھا اور نظم وضبط کو قائم رکھنے والی قوت اخلاق کی قوت تھی۔ یہ ایک عجیب وغریب تجربہ تھا جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اس کی بڑی وجہ اسلام کا مخصوص مزاج‘ اکرام انسانیت اور فرد کی آزادی کا اسلامی تصور‘ آخرت کی جواب دہی کا احساس اور اسلام کی قائم کردہ معاشرتی جمہوریت ہے جس سے دنیا کے دوسرے نظام آشنا نہیں۔

(۳) ایک طرف یہ آزادی تھی اور دوسری طرف حکومت کی سرپرستی کا یہ عالم تھا کہ وہ تعلیم کو اپنے تمام کاموں سے زیادہ اہم سمجھتی تھی۔ اس کا اندازہ اس ایک جملے سے کیجیے جو نظام الملک طوسی نے ملک عماد سلجوقی کے جواب میں کہا تھا۔ ہوا یوں کہ شاہ کو ایک موقع پر تعلیم پر غیر معمولی اخراجات سے کچھ تشویش ہوئی۔ اس نے کہا کہ اس زرکثیر سے تو ایک لشکر جرار تیار ہو سکتا ہے۔ نظام الملک نے کہا کہ:

> ”اے بادشاہ! آپ کی فوج کے تیر تو چند قدم تک کام دے سکتے ہیں‘ لیکن میں جو فوج تیار کر رہا ہوں اس کے تیر زمین کے سارے طول وعرض میں مؤثر ہیں اور اس کی دعاؤں اور حسنات کے تیر تو آسمان کی سیر سے بھی نہیں رک سکتے۔“

مسلمان حکمران تعلیم کو ایک تجارت نہیں سمجھتے تھے اور نہ خزانے پر اسے ایک بار تصور کرتے تھے‘ بلکہ انہیں یقین تھا کہ یہ دنیا وآخرت دونوں کو بنانے کے لیے ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں قطب الدین ایبک سے بلبن تک جو حکمران گزرے ہیں انہوں نے بڑے پیمانے پر مدارس قائم کیے اور مساجد تعمیر کرائیں۔ فیروز تغلق کے بجٹ میں ۱۳۶ لاکھ روپے وظائف وغیرہ کے لیے تھے۔ اس کا تقریباً ۲۵ فیصد یعنی ۳۶ لاکھ روپیہ صرف تعلیم کے فروغ کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اس نے تیس کالج اور ایک یونیورسٹی دہلی میں قائم کی جس کا سارا خرچ سرکاری خزانے سے پورا کیا جاتا تھا۔ مغل بادشاہوں میں علم کی سرپرستی میں ایک سے ایک بڑھا ہوا تھا۔ جہانگیر کا ذوق اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ بقول مصنف جان جہاں ”اس نے ان مدارس کو از سرِ نو تعمیر کروایا جو تیس تیس سال سے بند پڑے تھے اور پرندوں اور جانوروں کی رہائش گاہ بن چکے تھے‘ اور ان کو دوبارہ طلبہ اور اساتذہ سے بھر دیا۔“(۳۳)

(۳۳) *Law, N.N.I., Promotion of Learning in India by Muhammad ans,p.51*

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہانگیر نے تعلیم پر دل کھول کر خرچ کیا اور بقول ایچ جی کین اس نے لاتعداد سکول اور کالج قائم کیے۔ محمد شاہ جسے تاریخ ''رنگیلا'' کے نام سے جانتی ہے' تعلیم پر بے دریغ خرچ کرتا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا مشہور دار العلوم اس کی علمی فیاضیوں کا مرہونِ منت تھا۔(۳۴)

(۴) ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ تعلیم ہمیشہ مفت رہی۔ اس کے ساتھ ساتھ طلبہ کے بود و باش اور خورد و نوش کا بھی پورا انتظام کیا جاتا تھا۔ جیب خرچ کے لیے غریب طلبہ کو سرکاری ذرائع اور امراء کی طرف سے وظائف دیے جاتے تھے۔ مدارس اور مساجد میں بڑی تعداد میں کمرے ہوتے تھے جو طلبہ کی رہائش کے کام آتے تھے۔

(۵) اس نظام تعلیم کی ایک اور خصوصیت استاد و شاگرد کا قلبی تعلق تھا۔ تعلیم کے محور استاد تھے اور ان کو معلم و مربی کی حیثیت حاصل تھی۔ اساتذہ کا کردار مثالی ہوتا تھا۔ ان کے ایثار و قربانی اور اخلاص کا حال پڑھ کر تعجب ہوتا تھا کہ اسلام کیسے کیسے نمونے تیار کرسکتا ہے اور کتنی کثیر تعداد میں کرسکتا ہے۔ اساتذہ کا تعلق اپنے شاگردوں سے کیسا تھا اس کا اندازہ مشہور عالم حکیم علی گیلانی کے بارے میں ''تذکرہ علمائے ہند'' کے اس فقرے سے کیجیے: ''ہمیشہ طلبہ کو درس دیا کرتے اور ان کے بغیر کھانا نہ کھاتے تھے''۔(۳۵)

(۶) اس نظام میں استاد اور شاگرد میں صرف قلبی تعلق ہی نہ تھا بلکہ استاد طلبہ کے تزکیہ نفس اور اصلاحِ باطن کی فکر بھی کرتے تھے۔ انہیں ہر وقت یہ خیال دامن گیر رہتا کہ طلبہ کا معیارِ علم ہی بلند نہ ہو' ان کا معیارِ اخلاق بھی بلند ہو اور وہ اچھے انسان اور اچھے مسلمان بن کر نکلیں۔ اگر اس معاشرے میں تقویٰ' ایفائے عہد' عصمت و عفت' ایثار و قربانی' صلہ رحمی' اخلاق و مروت اور ہمدردی و اخوت کا دور دورہ تھا تو اس کی وجہ یہی تھی کہ تعلیم ایک اخلاق ساز قوت کا کردار ادا کرتی تھی۔

(۷) اس نظام تعلیم کی ایک خوبی یہ تھی کہ اس میں جمود نہ تھا۔ یہ نظام نئی پیدا ہونے والی ضرورتوں کو پورا کر رہا تھا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس نظام کے تیار کردہ افراد محض حجروں کی زینت نہ تھے' بلکہ نظام سلطنت کو حکمت و دانشمندی کے ساتھ چلا رہے تھے۔ اگر درخت کو اس کے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو اس نظام کو ان شخصیات سے پرکیا جاسکتا ہے جنہیں اس نے تیار کیا اور جنہوں نے زندگی کے ہر شعبے میں نام پیدا کیا۔ غرض یہ کہ تعلیمی نظام کی جس تاریخی روایت کا آغاز رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے ہوا تھا ہنوز رو بارتقاء ہے اور مفید برگ و بار پیدا کر رہی ہے۔

کتابیات

عربی کتب

(۱) قرآن کریم۔
(۲) مفتاح کنوز السنة' مطبوعہ مصر۔
(۳) المعجم المفهرس للالفاظ الحديث النبوی' مطبوعہ مصر۔

(۳۴) حوالہ مذکورہ۔

(۳۵) منتخب التواریخ' ص ۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(٤) طبقات الشافعية الکبریٰ، مطبوعہ مصر۔
(٥) الروضتین، مطبوعہ مصر۔
(٦) سنن ابن ماجہ، مطبوعہ مصر۔
(٧) صحیح البخاری، مطبوعہ کراچی۔
(٨) مفردات، امام راغب، مطبوعہ کراچی۔
(٩) الجامع للاخلاق الراوی والسامع، مطبوعہ مصر۔
(١٠) تقیید العلم للخطیب البغدادی، مطبوعہ مصر۔
(١١) تذکرۃ الحفاظ للذہبی، مطبوعہ مصر۔
(١٢) سنن الدارمی، مطبوعہ مصر۔
(١٣) جامع بیان العلم لابن عبدالبر، مطبوعہ مصر۔
(١٤) البیان والتبیین للجاحظ، مطبوعہ مصر۔
(١٥) تفسیر ابن جریر للطبری، مطبوعہ مصر۔
(١٦) تاریخ بغداد، مطبوعہ مصر۔
(١٧) ربیع الابرار للزمخشری، مطبوعہ مصر۔
(١٨) احیاء علوم الدین للغزالی، مطبوعہ مصر۔
(١٩) صحیح مسلم از امام مسلم، مطبوعہ مصر۔
(٢٠) کشف المحجوب، علی ھجویری، مطبوعہ لاہور۔
(٢١) مستدرك حاکم، مطبوعہ حیدر آباد دکن۔
(٢٢) عقد الفرید، مطبوعہ مصر۔
(٢٣) سیرت ابن ہشام، مطبوعہ مصر۔

English Books

1- *Law, N.N.I., Promotion of Learning in India by Muhammad ans.*
2- *Van Kroamor, Islamic Civilization.*
3- *Resanthal, Knowledge Triumphant.*
4- *Encyclopedia of Islam.*
5- *W.O. Lester smith, Education, Pelican, 1958.*
6- *Everyman's Library, by John Milton.*
7- *Dewey, John, Democracy and Education.*
8- *Park, De. Joe, Introduction, New York.*
9- *Dipman, Water, The State of Education in this Troubled World.*
10- *Current History, Sept,1958.*
11- *Titus, Harold H. Living Issues in Philosophy, New York, 1953.*
12- *Aydelotte, Frank, "Breaking the Academic Lock Step, Harper Brothers, New York.*

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com